مرزا خلیل احمد بیگ

پروفیسر مسعود حسین خاں کی لسانیاتی تحقیق

اُردو کے لسانی مسائل سے اولین دل چسپی اہلِ مغرب کو پیدا ہوئی جنھوں نے اُردو لغات ترتیب دیں اور قواعد یں لکھیں۔ یہ سلسلہ انیسویں صدی کے نصف اول تک جاری رہا۔ انیسویں صدی کے بعض اُردو مصنفین نے بھی اردو کے لسانی مسائل ومباحث سے اپنی دل چسپی کا اظہار کیا، لیکن اُردو کے تحقیقی کاموں کی جانب ان کی خاطر خواہ توجہ مبذول نہ ہو سکی۔ اردو میں لسانیاتی تحقیق کا کام صحیح معنی میں بیسویں صدی کے ربع اول سے شروع ہوتا ہے اور حافظ محمود خاں شیرانی اردو کے پہلے با قاعدہ لسانی محقق قرار پاتے ہیں۔ ان کی تصنیف 'پنجاب میں اردو' (1928) ایک قابلِ قدر لسانی تحقیقی کارنامہ ہے جس میں انھوں نے اردو کے پنجاب میں پیدا ہونے کا نظریہ پیش کیا ہے۔ لیکن یہ ان کا اپنا نظریہ نہیں۔ شیرانی کی تحقیق سے کئی سال قبل شیر علی سرخوش اپنے تذکرے 'اعجازِ سخن' (1923) میں اس نظریے کو پیش کر چکے تھے۔ یہاں اس امر کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ حافظ محمود خاں شیرانی ماہرِ لسانیات (Linguist) نہ تھے؛ انھیں ماہرِ السنہ (Philologist) کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ بیسویں صدی کے دوسرے اہم لسانی محقق ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور گزرے ہیں جنھوں نے یورپ میں اپنے قیام کے دوران جدید لسانیات کی تربیت حاصل کی تھی۔ دکنی زبان کے حوالے سے 'ہندستانی صوتیات' (انگریزی) (1) ان کا ایک اہم تحقیقی کارنامہ ہے۔ ڈاکٹر زور کے بعد برِ صغیر ہندو پاک میں جدید لسانیاتی تحقیق میں جن ماہرینِ لسانیات نے قابلِ قدر کارنامے انجام دیے ہیں ان میں پروفیسر مسعود حسین خاں کا نام سرِ فہرست ہے۔

مسعود حسین خاں نے بیسویں صدی کے وسط میں انگلستان اور فرانس کی دانش گاہوں سے منسلک رہ کر اپنے تحقیقی منصوبوں کی تکمیل کی تھی اور مزید علمی و تحقیقی جستجو کی غرض سے وہ امریکہ پہنچے تھے (2)۔ ان ممالک سے واپسی کے بعد سے اپنے دمِ واپسیں تک انھوں نے کم از کم تین نسلوں کی ذہنی تربیت کا فریضہ انجام دیا تھا۔ ایک نسل تو وہ ہے جس نے علی گڑھ میں اور پونا کے لسانیات کے سر

اسکولوں میں ان سے کسبِ فیض کیا، دوسری وہ نسل ہے جو بعد میں حیدرآباد میں پھلی پھولی، اور تیسری اور آخری نسل پھر علی گڑھ میں پروان چڑھی۔ ان نسلوں کے باصلاحیت افراد آج بھی علمی و تحقیقی میدانوں میں سرگرمِ عمل ہیں۔

پروفیسر مسعود حسین خاں نے اگرچہ مختلف علمی میدانوں میں کام کیا ہے اور ادبی تحقیق کے بھی جوہر دکھائے ہیں، لیکن اس مقالے میں ان کی صرف لسانیاتی تحقیق کا ہی احاطہ کیا گیا ہے۔ مسعود صاحب کی لسانیاتی تحقیق کو تین زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: اردو کے آغاز و ابتدا کی تحقیق، صوتیاتی تحقیق اور دکنی تحقیق۔

(2)

اردو کے آغاز و ابتدا کی تحقیق کا کام مسعود صاحب نے گذشتہ صدی کی پانچویں دہائی میں شروع کیا تھا۔ یہ ان کا بنیادی تحقیقی کام ہے جو کتابی صورت میں 'مقدمۂ تاریخِ زبانِ اردو' کے نام سے 1948 میں شائع ہوا۔ (3) اس کتاب میں مسعود صاحب نے اردو کے آغاز اور اس کی پیدائش کے بارے میں اپنا مخصوص نظریہ پیش کیا ہے جس کی رو سے اردو 1193 (فتحِ دہلی) کے بعد دہلی و نواحِ دہلی میں پیدا ہوئی۔ مسعود صاحب نے اردو کے آغاز و ابتدا کے مسئلے کو تاریخی و تقابلی لسانیات کی روشنی میں سائنسی انداز سے حل کرنے کی کوشش کی ہے جس کے لیے ہند آریائی کی تاریخ سے مکمل واقفیت کی ضرورت ہوتی ہے، کیوں کہ اردو ایک ہند آریائی زبان ہے۔ مسعود صاحب نہ صرف ہند آریائی کی تاریخ سے پوری واقفیت رکھتے تھے، بلکہ پراکرت اور اپ بھرنش زبانوں کے لسانی سرمایے اور ان کی لسانی خصوصیات پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔

اردو کے آغاز کے بارے میں اپنے نظریے کی تشکیل سے قبل پروفیسر مسعود حسین خاں نے تین باتوں پر خصوصی توجہ دی:

1- انھوں نے دسویں صدی عیسوی کے لگ بھگ دہلی و نواحِ دہلی میں شورسینی اپ بھرنش سے ارتقا پذیر بولیوں (کھڑی بولی، ہریانوی، برج بھاشا، میواتی) کا تحقیقی جائزہ لیا، ان کے محلِ وقوع پر غور کیا اور ان کی لسانی خصوصیات نشان زد کیں۔

2- اردو کے قدیم لسانی و ادبی سرمایے (بہ شمولِ قدیم دکنی اردو) کی چھان بین کی اور ان کی لسانی خصوصیات کا نواحِ دہلی کی بولیوں سے مقابلہ کیا۔

3- اردو کے آغاز کے تمام نظریوں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا اور ان کا رد پیش کیا۔

ان امور کو سرانجام دینے کے بعد ہی وہ اردو کے آغاز کے بارے میں اپنا نظریہ پیش کر سکے۔ نواحِ دہلی کی بولیوں اور اردو کے قدیم سرمایے کے تقابلی مطالعے سے انھیں اس بات کا پتا چل گیا کہ

اردو براہِ راست کھڑی بولی سے نکلی ہے جو دہلی کے شمال مشرقی خطے کی بولی ہے۔ کھڑی بولی کی بنیادی پہچان یہ ہے کہ اس کے اسما، ضمائر، صفات اور افعال طویل مصوتے /-: a /یعنی الف پر ختم ہوتے ہیں۔ اردو کی بھی بنیادی شناخت یہی ہے، مثلاً گھوڑا (اسم)، میرا (ضمیر)، اچھا (صفت)، آیا (فعل)۔ اگرچہ مسعود صاحب کھڑی بولی کو اردو کی بنیاد اور اس کی اصل و اساس تسلیم کرتے ہیں، لیکن وہ اس بات پر بھی اصرار کرتے ہیں کہ قدیم اردو بالخصوص دکنی اردو پر ہریانوی کے گہرے لسانی اثرات رہے ہیں، لیکن جیسے جیسے اردو ارتقا پاتی گئی، یہ اثرات زائل ہوتے گئے۔

اس امر کا ذکر یہاں بے جا نہ ہوگا کہ اردو کے آغاز کے بارے میں ابتداءً مسعود حسین خاں کا نظریہ یہ تھا کہ ''قدیم اردو کی تشکیل براہِ راست ہریانی کے زیرِ اثر ہوئی ہے۔ اس پر رفتہ رفتہ کھڑی بولی کے اثرات پڑتے ہیں۔'' (4) ہریانی (=ہریانوی) دہلی کے شمال مغربی خطے کی بولی تھی (اور آج بھی ہے)، جس کے واضح لسانی اثرات دکنی اردو پر مرتسم ہوئے تھے جو شمال سے ہجرت کر کے تیرھویں صدی کے اواخر اور چودھویں صدی عیسوی کے اوائل میں دکن پہنچی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مسعود صاحب نے ہریانوی کو اردو کا ماخذ قرار دیا۔ لیکن جب انھوں نے 'مقدمۂ تاریخِ زبانِ اردو' کا ساتواں ایڈیشن (1987) ترتیب دیا تو اس میں بعض تبدیلیاں کیں اور اردو کے آغاز کے اپنے بنیادی نظریے میں بھی ترمیم پیدا کی جس کا اعتراف انھوں نے خود کیا ہے۔ وہ متذکرہ کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

> ''ساتویں اشاعت میں نہ صرف پچھلے اٹھائیس سال کی نئی معلومات کی روشنی میں اضافہ و ترمیمات کی گئی ہیں بلکہ اس کا تیسرا باب از سرِ نو لکھا گیا ہے۔ ایک لحاظ سے یہی باب اس تحقیقی مقالے کی جان ہے۔ اس کے علاوہ اردو کے ماخذ کے بارے میں تھوڑی سی نظریاتی ترمیم بھی کی گئی ہے، اور امیر خسرو کی ''نہ سپہر'' میں دی ہوئی بارہ ہندوستانی زبانوں کی فہرست سے ''زبانِ دہلی و پیرامنش'' (دہلی اور اس کے نواح کی بولیاں) کو اردو کا سرچشمہ ثابت کیا گیا ہے۔ اس طرح کھڑی بولی کے ساتھ ہریانوی بھی اس میں برابر کی حصہ دار ہوگئی ہے۔''

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، اردو کے آغاز کے بارے میں مسعود حسین خاں نے ابتدا میں جو نظریہ قائم کیا تھا اس کے مطابق ہریانوی کو اولیت حاصل تھی، لیکن بعد میں جب انھوں نے اپنے نظریے میں ترمیم کی تو یہ رُتبہ کھڑی بولی کو حاصل ہوگیا اور ہریانوی دوسرے نمبر پر پہنچ گئی۔ چنانچہ مسعود صاحب 'مقدمۂ تاریخِ زبانِ اردو' کے ساتویں ایڈیشن (1987) میں ہی صفحہ 236 پر لکھتے ہیں:

> ''قدیم اردو کی تشکیل براہِ راست دوآبہ کی کھڑی اور جمنا پار کی ہریانوی کے زیرِ اثر ہوئی ہے۔''

اس طرح مسعود صاحب نے اردو کے آغاز کے سلسلے سے بجا طور پر نواحِ دہلی کی دونوں بولیوں کی اہمیت پر زور دیا ہے، لیکن اولیت انھوں نے کھڑی بولی ہی کو دی ہے۔ کھڑی بولی دہلی کے شمال مشرق کی بولی ہے اور ہریانوی دہلی کے شمال مغرب میں بولی جاتی ہے۔ اس طرح مسعود حسین خاں کا دہلی و نواحِ دہلی کو اردو کی ولادت گاہ اور ''مولد و منشا'' قرار دینا تاریخی، لسانی اور تحقیقی اعتبار سے عین مناسب ہے۔

(3)

پروفیسر مسعود حسین خاں کا دوسرا لسانیاتی تحقیقی کارنامہ ان کی صوتیاتی تحقیق ہے جسے انھوں نے انگلستان اور فرانس میں اپنے قیام (53-1950) کے دوران پایۂ تکمیل کو پہنچایا اور جس پر انھیں پیرس یونیورسٹی سے ڈی۔ لِٹ۔ کی ڈگری تفویض ہوئی۔ یہ تحقیقی مقالہ *A Phonetic and Phonological Study of the Word in Urdu* کے نام سے 1954 میں شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی جانب سے شائع ہوا۔ راقم الحروف نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا جو 'اردو لفظ کا صوتیاتی اور تجز صوتیاتی مطالعہ' کے نام سے کتابی صورت میں 1986 میں شعبۂ لسانیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی جانب سے اشاعت پذیر ہوا۔ اس مقالے میں مسعود صاحب نے ممتاز برطانوی ماہرِ لسانیات جے۔ آر۔ فرتھ (J.R.Firth) کے عروضی تجز صوتیات (Prosodic Phonology) کے نظریے سے استفادہ کرتے ہوئے اردو لفظ کا صوتیاتی اور تجز صوتیاتی مطالعہ پیش کیا۔ اردو لفظ کے اس قسم کے مطالعے کی یہ پہلی کوشش ہے۔

اس امر کا ذکر یہاں بے جا نہ ہوگا کہ 'عروض' انگریزی کی صوتیاتی اصطلاح 'Prosody' کا ترجمہ ہے، لیکن اس عروض کا شاعری کے علمِ عروض سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ دراصل ایک صوتیاتی قوس ہے جو صوت رکن (Syllable) یا جملے پر پھیلی ہوتی ہے۔ عروض (Prosody) کا تصور سب سے پہلے دبستانِ پراگ (Prague School) میں پیدا ہوا جو چیکوسلوواکیہ کا ایک اہم لسانیاتی حلقہ تھا۔ اس دبستان کے ایک ممتاز عالم این۔ ایس۔ ترو بتزکوائے (N.S.Trubetzkoy) کی تصنیف *The Principles of Phonology* اس ضمن میں اولیت کا درجہ رکھتی ہے۔ بعد میں اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز (لندن یونیورسٹی) کے پروفیسر جے۔ آر۔ فرتھ نے اسے ایک باقاعدہ نظریے کی شکل دی۔ مسعود حسین خاں نے اسی نظریے (Theory) کو اپنی صوتیاتی تحقیق کا موضوع بنایا اور اس کا اطلاق اردو لفظ پر کیا جو اردو کے لسانیاتی ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ نصف صدی گزر جانے کے بعد بھی اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا جا سکا۔

پروفیسر مسعود حسین خاں کی صوتیاتی تحقیق کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے بعض

لسانیاتی اصطلاحات کے معنی و مفہوم کو سمجھ لیا جائے۔ زبان، اصوات یا آوازوں (Phones) کا مجموعہ ہے۔ زبان میں کام آنے والی تمام آوازیں انسانی اعضائے تکلم کے ذریعے پیدا کی جاتی ہیں۔ انھی اصوات (آوازوں) کے سائنسی مطالعے کو صوتیات (Phonetics) کہتے ہیں جس میں آوازوں کی تشکیل، ان کے مخارج اور ادائیگی، نیز درجہ بندی سے بحث کی جاتی ہے۔ لیکن جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ کسی مخصوص زبان میں کون کون سی ممیز آوازیں (Distinctive Sound Units) پائی جاتی ہیں اور وہ کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ مل کر معنی کی ترسیل و ابلاغ میں معاون ثابت ہوتی ہیں اور ان کی ترتیب و تنظیم سے کس طرح اس زبان کے الفاظ کی تشکیل عمل میں آتی ہے تو یہ مطالعہ تجز صوتیات (Phonology) کہلاتا ہے۔ مسعود صاحب نے اردو زبان کے الفاظ کا مطالعہ صوتیاتی (Phonetic) اور تجز صوتیاتی (Phonological) دونوں اعتبار سے کیا ہے اور اس مطالعے میں عروضی نظریے (Prosodic Theory) سے مدد اور روشنی لی ہے۔ اردو لفظ کا اس نوع کا مطالعہ 'عروضی تجز صوتیات' (Prosodic Phonology) کے دائرے میں آتا ہے۔

عروضی تجز صوتیات دو قسم کے بنیادی عناصر پر مشتمل ہے:

1- صوتی اکائیاں (Phonomatic Units)

2- عروضیات (Prosodies)

صوتی اکائیوں میں مصمتے (Consonants) اور مصوتے (Vowels) شامل ہیں، جنھیں قطعات (Segments) بھی کہتے ہیں۔ یہ صوتی اکائیاں یا قطعات سلسلہ وار یکے بعد دیگرے ترتیب دیے جاتے ہیں۔ ان کا تعلق صوتیاتی خصوصیات سے ہوتا ہے جو عروضی خصوصیات سے مختلف ہوتی ہیں۔ عروضی خصوصیات دراصل وہ خصوصیات ہیں جو صوتیاتی اکائیوں (مصمتوں اور مصوتوں) یا قطعات پر بہ صورتِ 'قوس' پھیلی ہوتی ہیں۔ عروضی خصوصیات میں ان صوتیاتی خصوصیات کو بھی شامل کیا جاتا ہے جو مصمتی یا مصوتی صوتیوں کا جزو سمجھی جاتی ہیں، مثلاً معکوسیت (Retroflexion) یا مسموعیت اور غیر مسموعیت (Voicing and Unvoicing)۔ عروضی خصوصیات صحیح معنی میں بہ صورتِ قوس اور بہ اعتبارِ طول ایک سے زائد صوتیاتی اکائیوں پر پھیلی ہوتی ہیں۔ عروض کا حلقۂ اثر صوت رکن کا کوئی جزو، صوت رکن یا لفظ بھی ہوسکتا ہے اور فقرہ یا جملہ بھی۔ اسی طرح سُر لہر (Intonation)، تان (Tone)، طول (Length) اور زور (Stress) وغیرہ عروضی خصوصیات کہی جائیں گی۔ ان میں سے سُر لہر کا تعلق فقرے یا جملے سے ہے۔ تان، طول اور زور کا تعلق صوت رکن اور لفظ سے ہے۔ فرتھ کی عروضی خصوصیات کو امریکی لسانیاتی اصطلاح میں فوق قطعاتی خصوصیات (Suprasegmental Features) کہا جا سکتا ہے۔ یہ خصوصیات صوتیوں (Phonemes) کا

درجہ رکھتی ہیں جنھیں اجزا (Segments) میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔

پروفیسر مسعود حسین خاں نے اردو الفاظ کا جو تجزیہ اپنے متذکرہ تحقیقی مقالے میں پیش کیا ہے وہ ان کے گہرے صوتیاتی مشاہدے پر مبنی ہے۔ انھوں نے عروضی خصوصیات سے متعلق تمام نکات نہایت علمی اور سائنسی انداز سے پیش کیے ہیں جس سے ان کی دقتِ نظر اور صوتیاتی بصیرت کا پتا چلتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ 'عروض' کا تصور مسعود صاحب نے جے-آر-فرتھ سے لیا ہے، لیکن اردو کے تعلق سے انھوں نے اس نظریے میں جو جامعیت اور وسعت پیدا کی ہے وہ ان کا اپنا کارنامہ ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اردو الفاظ کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ اور اس اعلا معیار کا تجزیہ آج تک کسی عالم نے پیش نہیں کیا۔ (5)

'اردو لفظ کا صوتیاتی اور تجز صوتیاتی مطالعہ' سے قطع نظر پروفیسر مسعود حسین خاں نے صوتیات کے حوالے سے کئی اور تحقیقی کارنامے انجام دیے ہیں، مثلاً انھوں نے کافی تحقیق اور چھان بین کے بعد اردو کی صوتیاتی جدول (Phonemic Inventory) تیار کی جس میں اردو صوتیوں (Phonemes) کا نہ صرف بہ لحاظ تعداد تعین کیا بلکہ مخارج (Point of Articulation) اور طرزِ ادائیگی (Manner of Articulation) کے اعتبار سے بھی ان کی درجہ بندی کی۔ مسعود صاحب کے تجزیے کے مطابق اردو صوتیوں کی تعداد 47 ہے جن میں 37 مصمتے اور دس مصوتے شامل ہیں۔ اردو کے تمام ماہرینِ لسانیات آج تک اسی تعداد کو درست مانتے آئے ہیں۔ اردو کے حروفِ تہجی کی تعداد میں انشاء اللہ خاں انشا سے لے کر اب تک اختلافِ رائے رہا ہے، لیکن اردو صوتیوں کی جو تعداد مسعود صاحب نے آج سے تقریباً پچاس سال قبل متعین کر دی تھی اس میں تا حال کوئی حک و اضافہ نہ ہو سکا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے اردو صوتیات کا نہایت غائر مطالعہ کیا تھا اور اردو حروفِ تہجی کی صوتیاتی ترتیب پیش کرتے وقت انتہائی لسانیاتی بصیرت اور جدید توضیحی طریقِ کار سے کام لیا تھا۔

پروفیسر مسعود حسین خاں نے نہ صرف اردو صوتیوں کی تعداد کا تعین کیا اور ان کی درجہ بندی پیش کی، بلکہ انفی آوازوں (Nasal Sounds) کے خصائص، کوزی یا معکوسی آوازوں (Retroflex Sounds) کی تقسیم، ہاکاری یا نفسی آوازوں (Aspirates) کی کیفیت، مصمتوں اور مصوتوں کی کمیت اور مصمتی خوشوں (Consonant Clusters) کے صوتی رجحان پر بھی تحقیق کر کے نتائج پیش کیے ہیں۔ مسعود صاحب کا اردو صوتیات پر اگرچہ یہ ابتدائی تحقیقی کام ہے، لیکن اس کی حیثیت بنیادی کام کی ہے۔ تقریباً نصف صدی کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اس کام کی اہمیت اپنی جگہ پر مسلّم ہے اور یہ آج بھی حوالے کی حیثیت رکھتا ہے۔ مسعود صاحب کی صوتیاتی تحقیق کے ضمن میں ان کی معروف تصنیف 'اردو لفظ کا صوتیاتی اور تجز صوتیاتی مطالعہ' سے قطع نظر، ان کے حسبِ ذیل دو مقالات

خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں:

1- ''اردو حروفِ تہجی کی صوتیاتی ترتیب''۔(6)

2- ''اردو صوتیات کا خاکہ''۔(7)

(4)

پروفیسر مسعود حسین خاں کی علمی و تحقیقی دل چسپی کا میدان دکنی زبان و ادب بھی رہا ہے۔ ان کا آبائی وطن اگرچہ قائم گنج (یوپی) تھا، لیکن ان کے خاندان کے بعض افراد نے حیدرآباد میں بھی سکونت اختیار کر لی تھی، مثلاً ان کے دادا فدا حسین خاں کا شمار حیدرآباد ہائی کورٹ کے 'چوٹی' کے وکیلوں میں ہوتا تھا؛ ان کے چچا یوسف حسین خاں عثمانیہ یونی ورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر تھے؛ ان کے بڑے بھائی امتیاز حسین خاں بھی عثمانیہ یونی ورسٹی کے شعبۂ کامرس کے صدر رہ چکے تھے۔ خود مسعود حسین خاں عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے چھے سال تک (1962-68ء) پروفیسر اور صدر رہے۔ دکنی زبان و ادب کی جانب ان کی توجہ اسی دوران میں مبذول ہوئی۔ انھوں نے دکنی زبان کا نہ صرف بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا بلکہ ایک دکنی لغت بھی ترتیب دی اور کئی دکنی متون کی تدوین کا کام سرانجام دیا۔ دکنی تحقیق سے متعلق ان کے حسبِ ذیل مقالات قابلِ ذکر ہیں:

1- ''دکنی یا اردوئے قدیم؟''

2- ''قدیم و جدید اردو کی کشمکش سرزمین دکن میں''۔

یہ دونوں مقالات ان کے حیدرآباد کے قیام کے دوران لکھے گئے اور مجموعۂ مضامین 'شعر و زبان' میں شامل کیے گئے جو 1966 میں حیدرآباد سے شائع ہوا۔

مسعود صاحب کا خیال ہے کہ جس طرح اردو کے اور بہت سے نام پڑے، اسی طرح 'دکنی' بھی اردو ہی کا ایک نام ہے، لیکن یہ نام بہت زیادہ قدیم نہیں جب کہ اس کے ہندی، ہندوی اور گجری نام زیادہ قدیم ہیں۔ انھوں نے کافی تحقیق کے بعد یہ بات لکھی ہے کہ ''عہدِ بہمنی کے کسی مصنف نے اپنی زبان کو دکنی نام سے نہیں پکارا ہے... قطب شاہی اور عادل شاہی ریاستوں کے قیام کے بعد ہی اس کا نام دکنی پڑا ہے۔''(8) ان کا یہ بھی خیال ہے کہ ''اس دور میں بھی دکنی کے نام کے ساتھ ساتھ ہندی، ہندوی اور ہندوستانی نام قائم رہے ہیں۔''(9) مسعود صاحب نہ تو دکنی زبان کو کوئی علیحدہ حیثیت دیتے تھے اور نہ دکنی ادب کو، بلکہ وہ دکنی کو قدیم اردو یا اردوئے قدیم مانتے تھے اور اس کے تحت ان تمام نمونوں کو لاتے تھے جو دکن، گجرات، شمالی ہند یا بہار کے علاقوں سے دستیاب ہوئے ہیں۔ ان کا یہ طرزِ عمل اردو زبان کی تاریخ کا تسلسل قائم کرنے کی غرض سے تھا۔

مسعود حسین خاں نے حیدرآباد (دکن) کے ممتاز محقق ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور کے 'ملکی'

یا' مقامی' جذبے کا بھی ذکر کیا ہے جس سے مغلوب ہو کر انھوں نے اپنی تحریروں میں 'دکنی زبان' اور 'دکنی ادبیات' کی اصطلاحوں کو عام کیا۔ مسعود صاحب لکھتے ہیں کہ '' ان اصطلاحوں کے عام ہو جانے کی وجہ سے اردو زبان کی ابتدا اور ارتقا کے بارے میں علمی نقطۂ نظر سے زبردست اشکال اور غلط فہمی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔'' ڈاکٹر زور کے بارے میں مسعود حسین خاں کا یہ تاثر تھا کہ وہ دکنی کو اردوئے قدیم تسلیم نہیں کرتے، بلکہ علیحدہ زبان کا درجہ دیتے ہیں۔ اسی لیے مسعود صاحب انھیں 'دکنی' اور' دکنیات' کی تحریک جدید کا بانی قرار دیتے ہیں(10)۔

مسعود صاحب نے حیدرآباد میں اپنے شش سالہ قیام کے دوران میں 'دکنی اردو کی لغت' مرتب کی جو آندھرا پردیش ساہتیہ اکادمی (حیدرآباد) کی جانب سے 1969 میں شائع ہوئی۔ یہ قدیم دکنی اردو کی لغت ہے جو پانچ سال میں تیار ہوئی۔ اس لغت کے بارے میں ڈاکٹر اشرف رفیع لکھتی ہیں کہ یہ'' اپنی نوعیت کی پہلی لغت ہے، اس اعتبار سے کہ اسے ایک غیر دکنی صاحبِ علم وفن اور ماہرِ لسانیات نے 267 شعری اور نثری تصانیف کی سندوں کے ساتھ مرتب کیا ہے۔''(11) اس میں کوئی شک نہیں کہ اس لغت کے تمام الفاظ سیکڑوں دکنی متون کے مطبوعہ اور قلمی نسخوں سے حاصل کیے گئے ہیں اور ہر لفظ کے معنی دینے کے بعد اس کی مثال یا تو دکنی متن کے مطبوعہ نسخے سے پیش کی گئی ہے یا قلمی نسخے سے۔ اس لغت میں سات ہزار دکنی اردو کے الفاظ شامل کیے گئے ہیں جس کے لیے مرتب کو تقریباً دگنی تعداد میں الفاظ جمع کرنا پڑے جو بعد میں مختلف وجوہ سے چھانٹ دیے گئے۔

ڈاکٹر اشرف رفیع نے اٹھارویں صدی کے اواخر یعنی 1795 کے لگ بھگ کی ایک فارسی لغت 'کثیر الفوائد' کا ذکر کیا ہے جس میں تقریباً ڈھائی ہزار فارسی الفاظ کے معنی دکنی اردو میں درج کیے گئے ہیں۔ گویا دکنی اردو کے حوالے سے لغت سازی کی یہ بالکل ابتدائی کوشش تھی۔ تقریباً پچاس سال بعد اسی نمونے پر نیاز علی بیگ نکہت نے 'مخزن الفوائد' (1844) مرتب کی۔ اس کے سو سال بعد تک دکنی اردو کے حوالے سے کسی لغت کا پتا نہیں چلتا۔ بیسویں صدی کے وسط میں (1950 کے لگ بھگ) سید شعار احمد شعار نے دکنی اردو کی ایک لغت تیار کی جس میں دکنی اردو کے معنی اردو میں دیے گئے لیکن اس میں الفاظ کی تعداد بہت کم تھی یعنی صرف 1930 الفاظ پر یہ لغت مشتمل تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں دکنی بول چال کے الفاظ کے معنی زیادہ تھے اور دکنی تصانیف، نیز قدیم متون سے بہت کم الفاظ لیے گئے تھے۔(12) اس پس منظر میں اگر دیکھا جائے تو مسعود حسین خاں کی 'دکنی اردو کی لغت' کئی اعتبار سے اولیت کا درجہ رکھتی ہے۔ اس میں الفاظ کی تعداد متذکرہ تمام لغات سے زیادہ ہے۔ اس کا تمام تر مواد قدیم دکنی متون اور قلمی نسخوں سے لیا گیا ہے، اور یہ سائنسی طرز پر مرتب کی گئی لغت ہے۔ علاوہ ازیں اس میں شامل ایک ایک لفظ کی اچھی طرح چھان بین اور تحقیق کر لی گئی ہے اور جو لفظ '' مشتبہ''

نظر آ یا یا جس کے معنی آ خر وقت تک واضح نہ ہو سکے اسے خارج کر دیا گیا۔ لغت نویسی کا یہ کام نہایت دقتِ نظر اور عرق ریزی کا تھا جسے مسعود حسین خاں نے بہ طریق احسن انجام دیا؛ تاہم انھیں اس بات کا احساس ہے کہ یہ 'نشانِ راہ' کی حیثیت رکھتا ہے، 'منزل' کا نہیں۔

لغت نویسی (Lexicography) کے علاوہ متنی تنقید (Textual Criticism) بھی بعض ماہرینِ لسانیات کی دل چسپی کا میدان رہا ہے۔ مسعود حسین خاں کا شمار ان عالموں اور ماہرینِ لسانیات میں ہوتا ہے جنھوں نے متنوع علمی ولسانی موضوعات پر کام کیا ہے، چنانچہ ان کی دل چسپی متنی تنقید سے بھی رہی ہے۔ اس ضمن میں اگرچہ انھوں نے کوئی تحقیقی کارنامہ انجام نہیں دیا لیکن کئی قدیم متون ضرور مدون کیے جن میں دکنی متون بھی شامل ہیں۔ تدوینِ متن سے مسعود صاحب کو خصوصی دل چسپی رہی ہے۔ اس کام کا بیڑا انھوں نے اپنے ورودِ حیدر آباد کے بعد اٹھایا تھا- یہ وہ زمانہ تھا جب خطۂ دکن میں قدیم متون کی بازیافت کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، اور مولوی عبدالحق، نصیرالدین ہاشمی اور سید محی الدین قادری زور جیسے محققین کی کاوشوں سے کئی دکنی متون منظرِ عام پر آ چکے تھے۔ بعض دوسرے محققین بھی اس میدان میں سرگرمِ عمل تھے۔ چنانچہ مسعود صاحب بھی اردو کے قدیم سرچشموں کا سراغ لگانے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ انھوں نے 1965 تا 1972 پانچ قدیم متون کی ترتیب و تدوین کا کام معیاری طرز پر انجام دیا جن کے نام یہ ہیں:

1- 'بکٹ کہانی' (محمد افضل افضل)۔

2- 'قصۂ مہر افروز و دلبر' (عیسوی خاں بہادر)۔

3- 'عاشور نامہ' (روشن علی)۔

4- 'پرت نامہ' (فیروز بیدری)۔

5- 'ابراہیم نامہ' (عبدل دہلوی)۔

آ خر الذکر دو متون کا تعلق دکن سے ہے اور یہاں انھی کا ذکر کیا جائے گا۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، تدوینِ متن کا کام بڑی عرق ریزی اور جاں فشانی کا ہے۔ اس میں سب سے پہلے مرتب کو متن کی تلاش وجستجو کے نہایت دشوار گزار اور صبر آزما مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے۔ تحقیق کا کام درحقیقت اسی مرحلے سے شروع ہو جاتا ہے، کیوں کہ محقق کے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہوتا ہے کہ جو متن دریافت ہوا ہے وہ کہیں جعلی تو نہیں، نیز دریافت شدہ متن مصنف کا تحریر کردہ ہے یا بعد کے کسی کاتب نے اسے لکھا ہے۔ اگر ایک متن یا تصنیف کے کئی نسخے دریافت ہوئے ہیں تو بنیادی یا قدیم نسخہ کون سا ہے۔ پھر متن کی قرأت کا مرحلہ سامنے آتا ہے۔ قدیم متون کا پڑھنا انتہائی دقت طلب کام ہے۔ اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے نہ صرف اس رسمِ خط سے گہری واقفیت ضروری ہے بلکہ اس عہد کی املائی

باریکیوں اور طرزِ تحریر کی پیچیدگیوں پر نظر رکھنا بھی نہایت ضروری ہے، تبھی متن کی صحیح قرأت تک رسائی ہوسکتی ہے۔ پھر اگر کسی متن کے ایک سے زائد نسخے دریافت ہوئے ہیں تو ان کا ایک دوسرے سے مقابلہ اور ان کے درمیان اختلافات کا جاننا نہایت ضروری ہے اور یہ پتا لگانا بھی نہایت ضروری ہے کہ قدیم یا بنیادی نسخہ کون سا ہے۔ ایڈیٹنگ (Editing) کے دوران اصولِ تدوینِ متن کو مدِ نظر رکھنا بھی نہایت ضروری ہوتا ہے۔ قدیم متون کی ادبی، تہذیبی اور تاریخی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا، لیکن ان کی لسانی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے۔ متن کے لسانی تجزیے سے نہ صرف اس دور کی زبان کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے، بلکہ عہد بہ عہد ظہور پذیر ہونے والی لسانیاتی تبدیلیوں یعنی صوتی، صرفی، لغوی، نحوی، قواعدی اور معنیاتی تبدیلیوں کا بھی پتا چلتا ہے، نیز اس زبان کے ارتقا کی تاریخ کو سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ اس سے ادبی تاریخ کا اندازہ لگانا بھی آسان ہوجاتا ہے۔ مسعود صاحب نے متن کی ترتیب و تدوین کا کام تمام تر دشواریوں اور دقتوں کا سامنا کرتے ہوئے اور تدوینِ متن کے جملہ تقاضوں سے عہدہ برآ ہوتے ہوئے بہ طریقِ احسن انجام دیا ہے۔

پروفیسر مسعود حسین خاں نے جن دو دکنی تصانیف کو مرتب کر کے شائع کیا ہے ان میں پہلی تصنیف 'پرت نامہ' ہے۔ یہ دبستانِ گول کنڈہ کے مسلم الثبوت شاعر فیروز بیدری کی مثنوی ہے جو 1564 سے قبل لکھی گئی۔ چار سو سال بعد مسعود صاحب نے اسے ایڈٹ کر کے مجلہ 'قدیم اردو' (حیدرآباد) کی جلد اول میں 1965 میں شائع کیا۔ 'پرت نامہ' کا مسعود صاحب کا تیار کردہ متن اس کے دو نسخوں پر مبنی ہے۔ پہلا نسخہ ادارۂ ادبیاتِ اردو (حیدرآباد) کا ہے جو ناقص الآخر ہے اور دوسرا نسخہ انجمن ترقی اردو (ہند) کا مخزونہ ہے۔ ان دونوں نسخوں کا مقابلہ کر کے مسعود صاحب نے ایک نیا اور معتبر متن تیار کیا اور اپنے وقیع تحقیقی 'مقدمہ' کے ساتھ اسے شائع کیا۔

دوسری دکنی تصنیف جو مسعود حسین خاں نے ایڈٹ کی ہے وہ 'ابراہیم نامہ' ہے۔ یہ دبستانِ بیجاپور کے سرخیل عبدل دہلوی کی شعری تصنیف ہے جس میں مثنوی کی ہیئت میں سلطنتِ بیجاپور کے چھٹے حکمراں ابراہیم عادل شاہ ثانی (1580-1626) کی مدح سرائی کی گئی ہے۔ مسعود صاحب نے اس مثنوی کو 'توصیف نامہ یا قصیدہ' سے تعبیر کیا ہے اور 'شاہ نامہ' کا درجہ دیا ہے۔ 'ابراہیم نامہ' کے دو نسخے دستیاب ہیں۔ اس کا پہلا نسخہ ریاستِ اوندھ (مہاراشٹر) کا ہے جس کا تعارف بھگوت دیال ورما نے مجلہ 'ہندوستانی' (الہ آباد) کے جنوری 1932 کے شمارے میں کرایا۔ (13) دوسرا نسخہ سالار جنگ لائبریری (حیدرآباد) کی ملکیت ہے۔ مسعود صاحب نے ان دونوں نسخوں کو دیکھ کر اور ان کا مقابلہ کرنے کے بعد ایک معتبر و مستند (Authentic) متن تیار کیا جو حیدرآباد میں ان کے قیام کے دوران ہی مدون ہو چکا تھا، لیکن اس کی اشاعت مجلہ 'قدیم اردو' کی جلد سوم کے طور پر، شعبۂ لسانیات،

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے 1969 میں عمل میں آئی۔

'ابراہیم نامہ' کی ترتیب وتدوین کے دوران مسعود صاحب نے ایک ایسا ہفت خواں طے کیا ہے جس کا اندازہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ تدوین کے شروع میں ان کا 67 صفحات کا "مقدمہ" شامل ہے جس میں انھوں نے نہ صرف متن کے دونوں نسخوں کے بارے میں مکمل معلومات دی ہیں، بلکہ ابراہیم عادل شاہ ثانی کی حکمرانی، اس کے عہد کے ادبی وتہذیبی حالات اور قدیم شہر بیجاپور کی تہذیبی وتمدنی اہمیت پر بھی بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ علاوہ ازیں مقدمے میں عبدل دہلوی کے نام، وطن اور مثنوی کی تاریخِ تصنیف کے بارے میں بھی مکمل تحقیق کر کے معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ مقدمے کے آخر میں 'ابراہیم نامہ' کی زبان کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے اور اس کی صوتی، صرفی اور نحوی خصوصیات (Peculiarities) کو اجاگر کیا گیا ہے۔ آخر میں 'ابراہیم نامہ' کے الفاظ کی ایک فہرست دی گئی ہے جو صرف ان الفاظ پر مشتمل ہے جو صوتی یا معنیاتی اعتبار سے قدیم اردو سے مخصوص ہیں۔ اردو کے نامور محقق آنجہانی گیان چند جین نے پروفیسر مسعود حسین خاں کی تدوینی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے 'ابراہیم نامہ' کے بارے میں لکھا ہے کہ "یہ ہر اعتبار سے ایک مکمل تدوین ہے۔ مدوِن کے کسی تحقیقی بیان سے اختلاف کرنے کی گنجائش نہیں۔" (14)

حواشی

1- یہ کتاب *Hindustani Phonetics* کے نام سے 1930 میں پیرس (فرانس) سے شائع ہوئی۔
2- انگلستان، فرانس اور امریکہ کے اسفار کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو پروفیسر مسعود حسین خاں کی خودنوشت سوانح حیات 'ورودِ مسعود' (پٹنہ: خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، 1988)۔
3- اس کتاب کے ہندوستان میں اب تک دس سے زائد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کا دسواں ایڈیشن ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ سے 1991 میں شائع ہوا تھا۔
4- مسعود حسین خاں، 'مقدمۂ تاریخ زبانِ اردو'، چوتھا ایڈیشن (1970)، ص 241۔
5- عروضی نظریے کی تفصیلات کے لیے دیکھیں مرزا خلیل احمد بیگ کا تحریر کردہ مفصل 'مقدمہ' جو 'اردو لفظ کا صوتیاتی اور تجزصوتیاتی مطالعہ' (علی گڑھ: شعبۂ لسانیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، 1986) میں شامل ہے۔
6- مشمولہ 'اردو زبان اور ادب' (مسعود حسین خاں)، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس (س ن)۔
7- مشمولہ 'شعر و زبان'، (مسعود حسین خاں)، حیدرآباد، 1966۔
8- ملاحظہ ہو مسعود حسین خاں کا مضمون 'دکنی یا اردوئے قدیم' مشمولہ 'شعر و زبان' (حیدرآباد، 1966)، ص 168۔
9- ایضاً، ص 169 (حاشیہ)۔
10- ایضاً، ص 170۔

11- ملاحظہ ہو اشرف رفیع کا تبصراتی مضمون 'دکنی اردو کی لغت'، مشمولہ 'نذرِ مسعود' مرتبہ مرزا خلیل احمد بیگ (علی گڑھ: تعلیمی مرکز، 1989)، ص 371۔

12- ایضاً۔

13- یہ اطلاع راقم الحروف کو گیان چند جین کے مضمون 'ڈاکٹر مسعود حسین خاں بہ حیثیت ادبی محقق' مشمولہ 'نذرِ مسعود' (مرتبہ مرزا خلیل احمد بیگ) سے حاصل ہوئی۔ جین صاحب کا بھگوت دیال ورما کے بارے میں یہ بھی خیال ہے کہ وہ "غالباً پونا کے کسی کالج میں فارسی کے استاذ" تھے۔ ملاحظہ ہو 'نذرِ مسعود' (مرتبہ مرزا خلیل احمد بیگ)، ص 130۔

14- ملاحظہ ہو گیان چند جین کا محولہ بالا مضمون، ص 34-133۔

●

Prof. Mirza Khalil Ahmad Beg
"Areen"
Street No. 1,
386, Iqra Colony,
New Sir Syed Nagar,
Aligarh - 202002 (U.P.)

National Council for Promotion of Urdu Language

Quarterly "FIKR-O-TAHQEEQ" New Delhi

Vol. XIV January, February, March 2011 Issue-1

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کا علمی و تحقیقی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق نئی دہلی

اس شمارے کی قیمت : 25روپے

زر سالانہ :

عام ڈاک سے : 100روپے

رجسٹرڈ ڈاک سے : 200روپے

طابع اور ناشر : ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
محکمۂ اعلیٰ تعلیم، وزارتِ ترقی انسانی وسائل، حکومتِ ہند

رابطہ : فون: 49539000، فیکس: 49539099

مدیر : ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

اعزازی مدیر : نصرت ظہیر

کمپوزنگ : محمد مشہود عالم

خط و کتابت کا پتہ : قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ''فروغ اردو بھون''، FC-33/9،
انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی-110025

سرورق کی تصویر : پروفیسر مسعود حسین خاں (ولادت 28 جنوری 1919، وفات: 16 اکتوبر 2010

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ، ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے ایس. نرائن اینڈ سنز، بی-88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا، فیز-II، نئی دہلی 110020 میں 70 GSM TNPL پیپر پر چھپوا کر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ''فروغ اردو بھون'' FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی-110025 سے شائع کیا۔

سہ ماہی

فکر و تحقیق

نئی دہلی

شمارہ 1

جنوری، فروری، مارچ 2011

جلد 14

مدیر

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

اعزازی مدیر

نصرت ظہیر

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی

سہ ماہی

پروفیسر مسعود حسین خاں کی لسانیاتی تحقیق

معامله امیر خسرو کی جائے پیدائش کا

صادقین کی رباعیاں

..و داستانوں کا اسلوبی مطالعه

کے انقلاب کا پس منظر اور بنگال

ابتدائی نقوش اور گرو گرنتھ صاحب

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی